

غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

قارئین کے سوالات



سوال ①: کتنی بار دودھ پلانے سے رضاعت ثابت ہوتی ہے؟

جواب: مدت رضاعت، یعنی دو سال کے دوران کم از کم پانچ دفعہ دودھ پلانے سے رضاعت و حرمت ثابت ہوتی ہے۔ دلائل ملاحظہ فرمائیں:

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«لَا تُحَرِّمُ الْمَصَّةُ وَلَا الْمَصَّتَانِ». ”ایک یا دو دفعہ چوسنا حرمت پیدا

نہیں کرتا۔“ (صحیح مسلم: 468/1، ح: 1450)

ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں: «لَا تُحَرِّمُ الْإِمْلَاجَةُ وَالْإِمْلَاجَتَانِ».

”ایک یا دو دفعہ پستان منہ میں دینے سے حرمت ثابت نہیں ہوتی۔“

(صحیح مسلم: 1451)

ایک اور روایت میں یہ الفاظ ہیں: «لَا تُحَرِّمُ الرَّضْعَةُ وَالرَّضْعَتَانِ».

”ایک یا دو دفعہ دودھ پلانا رضاعت ثابت نہیں کرتا۔“

سیدہ ام فضل رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ بنو عامر بن صعصعہ کے ایک آدمی نے عرض کیا:

اے اللہ کے نبی! کیا ایک دفعہ دودھ پینے سے حرمت ثابت ہو جاتی ہے؟ اس پر نبی اکرم ﷺ

نے فرمایا: نہیں۔ (صحیح مسلم: 469/1، ح: 1451)

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: كَانَ فِيمَا أَنْزَلَ مِنَ الْقُرْآنِ عَشْرُ

رَضَعَاتٍ مَّعْلُومَاتٍ يُحَرِّمْنَ، ثُمَّ نُسِخْنَ بِخَمْسٍ مَّعْلُومَاتٍ، فَتَوَفَّى رَسُولُ

اللہ ﷻ، وَهِيَ فِيمَا يُقْرَأُ مِنَ الْقُرْآنِ. ”پہلے قرآن مجید میں یہ حکم نازل ہوا تھا کہ دس دفعہ دودھ پلانے سے حرمت لازم ہوتی ہے، لیکن پھر یہ حکم منسوخ ہو گیا اور پانچ دفعہ دودھ پلانے سے حرمت لازم ہونے کا حکم نازل ہوا۔ رسول اللہ ﷺ کی وفات (کے بہت قریب) تک قرآن کریم میں اسی طرح پڑھا جاتا تھا۔“ (صحیح مسلم: 1/469، ح: 1452)

اس حدیث سے واضح ہو جاتا ہے کہ اگر بچہ پانچ سے کم دفعہ کسی عورت کا دودھ پیے تو حرمت ثابت نہیں ہوتی۔ اگرچہ پانچ دفعہ والی آیت کی قراءت اب قرآن کریم میں نہیں ہوتی، لیکن اس کا حکم باقی ہے۔

اس بات کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے سیدنا ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ کے غلام سالم کے بارے میں ان کی بیوی، سہلہ بنت سہیل رضی اللہ عنہا سے فرمایا:

«أَرْضِعِيهِ خَمْسَ رَضَعَاتٍ، فَكَانَ بِمَنْزِلَةِ وَلَدٍ مِنَ الرِّضَاعَةِ».

”آپ اس کو پانچ دفعہ دودھ پلا دیں، وہ رضاعت کی بنا پر ان (ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ) کی اولاد کی طرح ہو جائے گا۔“ (الموطأ للإمام مالك: 2/605، وأصله في صحيح البخاري: 762/2، ح: 5088، مسند الإمام أحمد: 6/201، 271، والسياق له)

ان احادیث سے ثابت ہوا کہ پانچ ادنیٰ حد ہے، اس سے کم میں حرمت ثابت نہیں ہوتی۔ قرآن کریم میں ﴿وَأُمَّهَاتُكُمُ اللَّاتِي أَرْضَعْنَكُمْ﴾ (النساء: 23) (اور تمہاری وہ مائیں [بھی تم پر حرام ہیں] جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا ہے) اور حدیث میں «يَحْرُمُ مِنَ الرِّضَاعَةِ مَا يَحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ» (رضاعت سے بھی وہ رشتے حرام ہو جاتے ہیں، جو رشتہ داری کی بنا پر حرام ہوتے ہیں) یہ بات مطلق بیان ہوئی ہے۔ اس مطلق کی تقید مذکورہ بالا روایات نے کر دی ہے کہ مراد کم از کم پانچ دفعہ دودھ پینا ہے۔ اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسے قرآن کریم میں ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ارْكَعُوا وَاسْجُدُوا﴾ (الحج 22: 77)

”ایمان والو! رکوع اور سجدہ کرو۔“

اس آیت میں مطلق سجدہ کرنے، یعنی پیشانی کو زمین پر لگانے کا ذکر ہے، لیکن حدیث نے بیان کر دیا ہے کہ رکوع ایک ہی ہے اور سجدے دو ہیں۔ بالکل اسی طرح رضاعت کے مسئلہ کو سمجھ لینا چاہیے۔

بعض لوگ ایک بار دودھ پلانے سے رضاعت ثابت کرتے ہیں۔ ان کے مزعومہ دلائل کا مختصر اور تحقیقی جائزہ پیش خدمت ہے:

① سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«يَحْرُمُ مِنَ الرِّضَاعِ مَا يَحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ، قَلِيلُهُ وَكَثِيرُهُ».

”رضاعت تھوڑی ہو یا زیادہ اس سے وہ رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو نسب سے حرام

ہوتے ہیں۔“ (جامع مسانید الإمام أبي حنيفة للخوارزمي: 97/2)

یہ باطل اور جھوٹی روایت ہے، کیونکہ:

۱۔ صاحب کتاب محمد بن محمود بن محمد بن حسن، ابوالموید (593-655ھ) کا

ثقة ہونا ثابت نہیں۔

۲۔ ابو محمد، عبداللہ بن محمد بن یعقوب، حارثی ”متروک“ اور ”کذاب“ راوی ہے۔

۳۔ ابراہیم بن جراح کی سوائے امام ابن حبان رحمہ اللہ (الثقات: 69/8) کے کسی

نے توثیق نہیں کی، لہذا یہ مجہول الحال ہے۔

۴۔ احمد بن عبداللہ، کندی کو حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے صاحب مناکیر کہا ہے۔

(دیوان الضعفاء: 62)

اس کے بارے میں امام ابن عدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: لَهُ مَنَاقِيرٌ بَوَاطِيلٌ.

”اس نے منکر اور باطل روایات بیان کی ہیں۔“ (لسان المیزان لابن حجر: 1/199)

امام دارقطنی رحمہ اللہ نے اسے ”ضعیف“ قرار دیا ہے۔ (لسان المیزان: 1/199)
اس کا ثقہ ہونا ثابت نہیں۔

۵۔ حکم بن عتیبہ ”مدلس“ ہیں۔

۶۔ قاضی ابو یوسف جمہور محدثین کے نزدیک ”ضعیف“ ہیں۔

۷۔ ان کے استاذ بھی باتفاق محدثین ”ضعیف“ ہیں۔

② سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کے سامنے کسی نے حدیث «لَا تُحَرِّمُ الرِّضْعَةَ

وَلَا الرِّضْعَتَانِ» (ایک دو مرتبہ دودھ پینے سے حرمت ثابت نہیں ہوتی) پیش کی، تو آپ نے فرمایا: قَدْ كَانَ ذَاكَ، فَأَمَّا الْيَوْمَ، فَالرِّضْعَةُ الْوَاحِدَةُ تُحَرِّمُ.

”پہلے ایسا تھا، لیکن آج کے دور میں ایک دفعہ دودھ پینا ہی حرمت ثابت کر دیتا ہے۔“

(أحكام القرآن للجصاص: 2/125)

یہ قول سخت ”ضعیف“ ہے، کیونکہ:

۱۔ ابو خالد امر ”مدلس“ ہے، سماع کی تصریح نہیں کی۔

۲۔ حجاج بن ارطاة راوی جمہور ائمہ محدثین کے نزدیک ”ضعیف“ اور ”سیء

الحفظ“ ہے، نیز یہ ”مدلس“ بھی ہے۔

۳۔ حبیب بن ابو ثابت ”مدلس“ ہے۔

③ سیدنا علی بن ابوطالب اور سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کے بارے میں ہے:

كَانَا يَقُولَانِ: يَحْرُمُ مِنَ الرِّضَاعَةِ، قَلِيلُهُ وَكَثِيرُهُ.

”یہ دونوں اصحاب کہتے تھے: رضاعت تھوڑی ہو یا زیادہ، حرمت ثابت ہو جاتی ہے۔“

(سنن النسائي: 3313)

اس قول کی سند ”ضعیف“ ہے۔ سعید بن ابوعروبہ راوی ”مدلس“ ہیں اور انہوں نے

سماع کی تصریح نہیں کی۔ یہ مسلم اصول ہے کہ صحیح بخاری و مسلم کے علاوہ ثقہ مدلس کا عنعنہ

مقبول نہیں ہوتا۔

سیدنا عبداللہ بن عمر (مصنف عبدالرزاق: 466/7، ح: 13911، وسندہ صحیح)، طاؤس بن کیسان (مصنف عبدالرزاق: 467/7، ح: 13918، وسندہ صحیح) اور عطاء بن ابورباح (مصنف عبدالرزاق: 466/7، وسندہ صحیح) کے نزدیک ایک باردودھ پلانے سے رضاعت ثابت ہو جاتی ہے۔ صحیح احادیث کے مقابلے میں یہ اقوال ناقابل عمل ہیں۔

سوال (۲): ماموں کی وفات کے بعد ممانی سے نکاح شرعاً کیسا ہے؟

جواب: جائز ہے۔ ممانی ان رشتوں میں سے نہیں ہے، جن سے اسلام میں نکاح حرام ہے۔

سوال (۳): ایک آدمی نے اپنی پہلی بیوی کو طلاق دے کر دوسری شادی کر لی۔ کیا وہ اپنی دوسری بیوی کی بہن سے اپنی پہلی بیوی سے ہونے والے بیٹے کا نکاح کر سکتا ہے؟

جواب: کر سکتا ہے۔ یہ حرام رشتوں میں سے نہیں ہے۔

سوال (۴): کیا کوئی شخص اپنے بھانجے کی بیٹی سے نکاح کر سکتا ہے؟

جواب: جائز ہے۔ یہ بھی حرام رشتوں میں سے نہیں۔

سوال (۵): ایک شخص نے اپنی بیوی کو رخصتی سے پہلے طلاق دے

دی، کیا اب اس کی ماں سے نکاح کر سکتا ہے؟

جواب: نہیں، وہ اس کی ساس ہے اور ساس سے نکاح بروئے قرآن کریم

حرام ہے، جیسا کہ امام ترمذی رحمہ اللہ (279-279ھ) ایک ”ضعیف“ روایت ذکر کرنے کے

بعد فرماتے ہیں: وَالْعَمَلُ عَلَىٰ هَذَا عِنْدَ أَكْثَرِ أَهْلِ الْعِلْمِ، قَالُوا: إِذَا تَزَوَّجَ الرَّجُلُ الْمَرْأَةَ، ثُمَّ طَلَّقَهَا قَبْلَ أَنْ يَدْخُلَ بِهَا، حَلَّ لَهَا أَنْ يَنْكِحَ ابْنَتَهَا، وَإِذَا تَزَوَّجَ الرَّجُلُ الْإِبْنَةَ، فَطَلَّقَهَا قَبْلَ أَنْ يَدْخُلَ بِهَا، لَمْ يَحِلَّ لَهُ نِكَاحُ أُمِّهَا، لِقَوْلِ اللَّهِ تَعَالَى: ﴿وَأُمَّهَاتُ نِسَائِكُمْ﴾، وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ، وَأَحْمَدَ، وَإِسْحَاقَ.

”اکثر اہل علم کا اسی پر عمل ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ جب

آدمی کسی عورت سے شادی کرے، پھر اسے خلوت سے پہلے طلاق دے دے تو اس کی بیٹی سے نکاح کر سکتا ہے، لیکن اگر وہ بیٹی سے نکاح کرے اور خلوت سے پہلے اسے طلاق دے دے تو اس کی ماں سے نکاح جائز نہیں، کیونکہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَأُمَّهَاتُ نِسَائِكُمْ﴾ (النساء: 4: 23) (اور تمہاری بیویوں کی مائیں [بھی تم پر حرام ہیں])۔ امام شافعی، امام احمد بن حنبل اور امام اسحاق بن راہویہ رحمہم اللہ کا یہی مذہب ہے۔“

(سنن الترمذی، تحت الحديث: 1117)

سوال ۶: حرمت والے مہینے کون سے ہیں؟

جواب: حرمت والے مہینے چار ہیں۔

① رجب ② ذوالقعدہ ③ ذوالحجہ ④ محرم

سوال ۷: اگر کوئی اسلام قبول کرتا ہے تو اس کے لیے غسل کرنا کیسا ہے؟

جواب: اسلام قبول کرنے والے کے لیے غسل کرنا مستحب ہے، جیسا کہ قیس

بن عاصم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: إِنَّهُ أَسْلَمَ، فَأَمَرَهُ النَّبِيُّ ﷺ أَنْ يَغْتَسِلَ

بِمَاءٍ وَبِسِدْرٍ. ”وہ مسلمان ہوئے تو نبی اکرم ﷺ نے انہیں پانی اور بیری کے

پتوں کے ساتھ غسل کرنے کا حکم دیا۔“ (مسند الإمام أحمد: 2611، سنن أبي داود: 355، سنن

النسائي: 188، سنن الترمذی: 605، وقال: حسن، وسنده حسن)

اس حدیث کو امام ابن خزمیہ (254,255)، امام ابن حبان (1240) اور امام ابن جارود (14) رحمہ اللہ نے ”صحیح“ قرار دیا ہے۔

امام ترمذی رحمہ اللہ اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

وَالْعَمَلُ عَلَيْهِ عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ، يَسْتَحِبُّونَ لِلرَّجُلِ إِذَا أَسْلَمَ أَنْ يَغْتَسِلَ وَيَغْسِلَ ثِيَابَهُ. ”اہل علم کا اسی حدیث پر عمل ہے۔ جب کوئی شخص مسلمان ہو جائے تو وہ اس کے لیے غسل کرنا اور اپنے کپڑے دھونا مستحب سمجھتے ہیں۔“

(سنن الترمذی، تحت الحديث: 605)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب ثمامہ بن اثال رضی اللہ عنہ مسلمان ہوئے تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: «إِذْهَبُوا بِهِ إِلَى حَائِطِ بَنِي فُلَانٍ، فَمُرُوهُ أَنْ يَغْتَسِلَ». ”اسے فلاں شخص کے باغ میں لے جاؤ اور غسل کرنے کا کہو۔“

(مسند الإمام أحمد: 304/2، وسنده قوي)

سوال ۸: مسافر آدمی پانی نہ ملنے کی صورت میں تیمم کر کے اول وقت میں نماز پڑھ لیتا ہے، پھر اسی نماز کے آخری وقت میں اسے پانی مل جائے تو وہ کیا کرے؟

جواب: مسافر آدمی پانی نہ ملنے کی صورت میں تیمم کر کے اول وقت نماز ادا

کر لے، پھر پانی ملنے پر اسے اختیار ہے کہ وہ نماز کو دوہرائے یا نہ دوہرائے، جیسا کہ:

① سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

خَرَجَ رَجُلَانِ فِي سَفَرٍ، فَحَضَرَتِ الصَّلَاةُ، وَلَيْسَ مَعَهُمَا مَاءٌ، فَتَيَمَّمَا صَعِيدًا طَيِّبًا، فَصَلَّيَا، ثُمَّ وَجَدَا الْمَاءَ فِي الْوَقْتِ، فَأَعَادَا أَحَدُهُمَا الصَّلَاةَ وَالْوُضُوءَ، وَلَمْ يُعِدِ الْآخَرُ، ثُمَّ أَتَى رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ، فَذَكَرَا ذَلِكَ لَهُ، فَقَالَ لِلَّذِي لَمْ يُعِدْ: «أَصَبْتَ السُّنَّةَ، وَأَجْزَأْتُكَ صَلَاتُكَ»، وَقَالَ لِلَّذِي تَوَضَّأَ وَأَعَادَ: «لَكَ الْأَجْرُ مَرَّتَيْنِ».

”دو آدمی سفر میں نکلے۔ نماز کا وقت ہوا تو ان کے پاس پانی نہیں تھا۔ دونوں نے پاک مٹی سے تیمم کر کے نماز ادا کی، پھر نماز کے وقت ہی میں انہیں پانی مل گیا۔ ایک شخص نے تو وضو کر کے نماز دوبارہ پڑھ لی، جبکہ دوسرے نے ایسا نہ کیا۔ پھر دونوں (سفر سے واپسی پر) رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور ساری بات بتائی۔ آپ ﷺ نے نماز نہ دوہرانے والے سے فرمایا: تم صحیح طریقے پر چلے ہو اور پہلی نماز ہی تمہیں کافی ہے۔ وضو کر کے دوہرانے والے سے فرمایا: تمہیں دوہرا اجر مل گیا ہے۔“

(سنن أبي داود: 338، سنن النسائي: 433، مسند الدارمي: 744، المستدرک للحاکم: 286/1)
امام حاکم رحمہ اللہ نے اسے شیخین کی شرط پر ”صحیح“ کہا ہے۔ حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے ان کی موافقت کی ہے۔

② نافع مولى ابن عمر بیان کرتے ہیں: تيمم ابن عمر على رأس ميل أو ميلين من المدينة، فصلّى العصر، فقدم والشمس مرفعة، ولم يعد الصلاة. ”سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما نے مدینہ سے ایک یا دو میل کی مسافت پر تیمم کر کے عصر کی نماز ادا کی، پھر واپس (مدینہ) آ گئے، اس وقت سورج بلند ہی تھا، لیکن آپ رضی اللہ عنہما نے نماز نہیں دوہرائی۔“ (سنن الدارقطني: 86/1، المستدرک للحاکم: 289/1، السنن الكبرى للبيهقي: 233، 231/1، وسنده صحيح)

مدنی فقیہ، تابعی، امام ابو الزناد، عبد اللہ بن ذکوان رحمہ اللہ فقہائے سبعہ (تابعین میں سے مدینہ منورہ کے سات فقہائے کرام، عروہ بن زبیر، سعید بن مسیب، قاسم بن محمد بن ابوبکر، خارجہ بن زید، عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ، ابوبکر بن عبد الرحمن بن حارث، سلیمان بن یسار رحمہ اللہ) کے بارے میں بیان فرماتے ہیں: وَكَانُوا يَقُولُونَ: مَنْ تيمم، فصلّى،

ثُمَّ وَجَدَ الْمَاءَ فِي وَقْتٍ أَوْ فِي غَيْرِ وَقْتٍ، فَلَا إِعَادَةَ عَلَيْهِ، وَيَتَوَضَّأُ لِمَا يَسْتَقْبِلُ مِنَ الصَّلَوَاتِ وَيَغْتَسِلُ، وَالتَّيَمُّمُ مِنَ الْجَنَابَةِ وَالْوُضُوءُ سَوَاءٌ.

”فقہائے سبعہ فرماتے تھے کہ جس شخص نے تیمم کر کے نماز ادا کی، پھر نماز کے وقت ہی میں پانی ملا یا وقت گزرنے پر، اس نماز کو دوہرانا ضروری نہیں۔ ہاں! آئندہ کی نمازوں کے لیے وضو اور غسل کرنا پڑے گا۔ جنابت اور بے وضو ہونے کے تیمم کا ایک ہی حکم ہے۔“
(السنن الکبریٰ للبیہقی: 232/1، تاریخ دمشق لابن عساکر: 250/40، وسندہ حسن)

سوال ۹: اگر امام بے وضو نماز پڑھا دے تو کیا مقتدی بھی دوبارہ نماز پڑھیں گے؟

جواب: امام بے وضو نماز پڑھا دے تو اسے نماز دوہرانا پڑے گی، لیکن مقتدی نماز نہیں لوٹائیں گے۔ ان کی نماز درست ہے، جیسا کہ:

شیخ الاسلام، امام ابو عبد الرحمن، عبد اللہ بن مبارک رحمہ اللہ (118-181ھ) فرماتے ہیں:
لَيْسَ فِي الْحَدِيثِ قُوَّةٌ لِمَنْ يَقُولُ: إِذَا صَلَّى الْإِمَامُ بِغَيْرِ وُضُوءٍ أَنَّ أَصْحَابَهُ يُعِيدُونَ، وَالْحَدِيثُ الْآخِرُ أَثَبَتْ أَنْ لَا يُعِيدُ الْقَوْمُ، هَذَا لِمَنْ أَرَادَ الْإِنْصَافَ بِالْحَدِيثِ. ”جو لوگ کہتے ہیں کہ جب امام بے وضو نماز پڑھا بیٹھے تو اس کے مقتدی بھی نماز دوہرائیں گے، ان کے لیے حدیث سے کوئی دلیل نہیں۔ اس کے برعکس دوسری حدیث واضح طور پر بتاتی ہے کہ مقتدی نماز نہیں دوہرائیں گے۔ جو شخص حدیث کے ساتھ انصاف کرنا چاہے، اس کا یہی موقف ہوگا۔“

(السنن الکبریٰ للبیہقی: 401/1، وسندہ حسن)

فقہیہ و امام، حافظ عبد الرحمن بن مہدی رحمہ اللہ (م: 135ھ) فرماتے ہیں:
وَهُوَ هَذَا الْمُجْتَمَعُ عَلَيْهِ، الْجُنُبُ يُعِيدُ وَلَا يُعِيدُونَ، مَا أَعْلَمُ فِيهِ

اختِلَافًا. ”یہ اتفاقی بات ہے کہ جنبی امام (اگر جنابت کی حالت میں نماز پڑھا دے تو) اسے نماز دوہرائی پڑے گی، البتہ مقتدی نہیں دوہرائیں گے۔ مجھے اس بارے میں کوئی اختلاف معلوم نہیں۔“ (سنن الدارقطني: 364/1، السنن الكبرى للبيهقي: 400/2، وسنده صحيح) جب امام ابراہیم نخعی رحمہ اللہ سے ایسے امام کے متعلق پوچھا گیا، جس نے بغیر وضو کے نماز پڑھا دی، تو انہوں نے فرمایا: يُعِيدُ، وَلَا يُعِيدُونَ. ”وہ خود تو نماز دوہرائے، لیکن اس کے مقتدی نہ دوہرائیں۔“ (السنن الكبرى للبيهقي: 401/2، وسنده حسن)

سوال ۱۰: اکہری اقامت کے بارے میں کیا ثابت ہے؟

جواب: اکہری اذان کے ساتھ اکہری اقامت اور دوہری اذان کے ساتھ دوہری اقامت کہی جائے گی۔ اس بارے میں وارد ہونے والی تمام روایات کا یہی مفہوم ہے۔ جہاں تک اکہری اقامت کا تعلق ہے، تو یہ صحیح احادیث سے ثابت ہے، جیسا کہ: سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے:

إِنَّمَا كَانَ الْإِذَاؤُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ مَرَّتَيْنِ مَرَّتَيْنِ، وَالْإِقَامَةُ مَرَّةً مَرَّةً، غَيْرَ أَنَّهُ يَقُولُ: قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ، قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ.

”رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں اذان دو دو مرتبہ (أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ کہنے کے ساتھ) ہوتی تھی اور اقامت ایک ایک مرتبہ (اکہری) تھی۔ ہاں، صرف قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ کے کلمات دو مرتبہ کہے جاتے تھے۔“

(مسند الإمام أحمد: 85/2، سنن أبي داود: 510، سنن النسائي: 629، وسنده حسن)

اس حدیث کو امام ابن خزیمہ (374)، امام ابن حبان (1674، 1677) اور امام حاکم (709) رحمہم اللہ نے ”صحیح“ قرار دیا ہے۔ حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے ان کی موافقت کی ہے۔

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

أُمِرَ بِلَالٌ أَنْ يَشْفَعَ الْأَذَانَ، وَيُوتِرَ الْإِقَامَةَ.

” (رسول اللہ ﷺ کی طرف سے) سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کو اذان کے کلمات دو دو دفعہ اور

اقامت کے کلمات ایک ایک دفعہ کہنے کا حکم ہوا“ (صحیح البخاری: 603، صحیح مسلم: 378)

یاد رہے کہ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ سے دوہری تکبیر قطعاً ثابت نہیں۔

امام ابو عبد اللہ، محمد بن نصر، مروزی رحمہ اللہ (202-294ھ) فرماتے ہیں:

فَأَرَى فُقَهَاءَ أَصْحَابِ الْحَدِيثِ، قَدْ أَجْمَعُوا عَلَى إِفْرَادِ الْإِقَامَةِ.

”میرے علم کے مطابق تمام فقہاء محدثین کا اکہری اقامت پر اجماع ہے۔“

(السنن الكبرى للبيهقي: 420/1، وسنده صحيح)

سوال ۱۱: خاوند کی وفات کے وقت بیوی حاملہ تھی، شریعت کی روشنی

میں اس کی عدت کتنی ہوگی؟

جواب: خاوند کی وفات ہو یا طلاق، دونوں حالتوں میں حاملہ کی عدت وضع

حمل ہے، یعنی جب تک عورت بچے کو جنم نہ دے لے، عدت میں رہے گی اور بچے کی

ولادت کے ساتھ ہی عدت ختم ہو جائے گی، خواہ چند دن یا چند لمحے ہی گزرے ہوں۔

فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَأُولَاتُ الْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ﴾ (الطلاق: 65: 4)

”اور حاملہ عورتوں کی عدت یہ ہے کہ وہ اپنے بچے کو جنم دے دیں۔“

سیدہ سُبَیْہ بنت حارث رضی اللہ عنہا حاملہ تھیں، ان کے خاوند فوت ہو گئے۔ چند دنوں بعد ان

کے ہاں بچے کی پیدائش ہوئی۔ نبی اکرم ﷺ نے ان کو نیا نکاح کرنے کی اجازت دے دی۔

(صحیح البخاری: 5318، 6906، صحیح مسلم: 1485)

نیز دیکھیں (صحیح البخاری: 5319، صحیح مسلم: 1484، صحیح البخاری: 5320)

امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں : وَالْعَمَلُ عَلَى هَذَا عِنْدَ أَكْثَرِ أَهْلِ الْعِلْمِ، مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ، وَغَيْرِهِمْ، أَنَّ الْحَامِلَ الْمُتَوَقِّفَ عَنْهَا زَوْجَهَا إِذَا وَضَعَتْ، فَقَدْ حَلَّ لَهَا التَّزْوِيجُ، وَإِنْ لَمْ تَكُنْ انْقَضَتْ عِدَّتُهَا.

”اکثر اہل علم کا اسی حدیث پر عمل ہے، جن میں نبی اکرم ﷺ کے صحابہ کرام بھی شامل ہیں کہ جس عورت کا خاوند فوت ہو جائے اور وہ حاملہ ہو تو بچے کی ولادت کے بعد اس کے لیے نکاح کرنا جائز ہے، خواہ اس کی عدت کا عرصہ ابھی نہ گزرا ہو۔“

(سنن الترمذی، تحت الحديث : 1193)

سوال (۱۲) : کیا بچے کی شرمگاہ دھونے سے ماں کا وضو ٹوٹ جاتا ہے؟

جواب : وضو نہیں ٹوٹے گا، کیونکہ اس پر شریعت کی کوئی دلیل نہیں۔

سوال (۱۳) : وضو کے لیے پانی اور تیمم کے لیے پاک مٹی، دونوں نہ

ملنے کی صورت میں نماز کا کیا حکم ہے؟

جواب : اگر کسی انسان کو نہ وضو کے لیے پانی ملے نہ تیمم کے لیے مٹی، تو بھی

وہ مکلف (احکام الہی کا پابند) ہے۔ اس پر نماز پڑھنا ضروری ہے، جیسا کہ :

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے : أَنَّهَا اسْتَعَارَتْ مِنْ أَسْمَاءَ قِلَادَةً

فَهَلَكَتْ، فَبَعَثَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلًا فَوَجَدَهَا،

فَأَذَرَتْهُمْ الصَّلَاةَ وَلَيْسَ مَعَهُمْ مَاءٌ، فَصَلُّوا، فَشَكُّوا ذَلِكَ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ

صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَأَنْزَلَ اللَّهُ آيَةَ التَّيْمُمِ .

”انہوں نے سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا سے ایک ہار ادھا ر لیا جو کہ گم ہو گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے

ایک شخص کو تلاش کے لیے بھیجا تو وہ مل گیا۔ اسی اثنا میں نماز کا وقت ہو گیا، لیکن ان کے پاس

پانی نہ تھا۔ انہوں نے اسی طرح بغیر وضو کے نماز پڑھ لی۔ پھر رسول اللہ ﷺ کو اس بات کی خبر دی تو اللہ تعالیٰ نے تیمم کی آیت نازل فرمادی۔“ (صحیح البخاری: 336)

یعنی آیت تیمم کے نزول سے پہلے پانی نہ ہونے کی صورت میں صحابہ کرام نے نماز ادا کر لی تھی۔ گویا ان کے پاس نہ پانی تھا، نہ مٹی، کیونکہ مٹی کے استعمال کی ابھی اجازت نہیں تھی۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث سے یہی مسئلہ ثابت کیا ہے، ان کی ترویج یہ ہے:

بَابُ إِذَا لَمْ يَجِدْ مَاءً وَلَا تُرَابًا .

”اس صورت حال کا بیان جب نمازی کو نہ پانی ملے نہ مٹی۔“

شرح صحیح بخاری، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (773-852ھ) فرماتے ہیں:

فَفِيهِ دَلِيلٌ عَلَى وُجُوبِ الصَّلَاةِ لِفَاقِدِ الطَّهْوَرَيْنِ، وَوَجْهُهُ أَنَّهُمْ صَلَّوْا مُعْتَقِدِينَ وُجُوبَ ذَلِكَ، وَلَوْ كَانَتِ الصَّلَاةُ حِينَئِذٍ مَمْنُوعَةً لَأَنْكَرَ عَلَيْهِمُ النَّبِيُّ ﷺ . ”یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ پانی اور مٹی دونوں نہ ملنے کی صورت میں بھی نماز فرض ہوتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ صحابہ کرام نے اس موقع پر نماز کو فرض سمجھتے ہوئے ہی اسے ادا کیا تھا۔ اگر ایسی حالت میں نماز ممنوع ہوتی تو نبی اکرم ﷺ ان کو اس سے منع فرماتے۔“ (فتح الباری: 440/1)

سوال (۴۷): نفاس (بچے کی ولادت پر جاری ہونے والے خون) کی

کم سے کم اور زیادہ سے زیادہ مدت کیا ہے؟

جواب: نفاس کی کم سے کم مدت مقرر نہیں، البتہ زیادہ سے زیادہ چالیس دن ہے۔

سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: تَجَلَّسُ النِّفْسَاءُ نَحْوًا مِّنْ

أَرْبَعِينَ يَوْمًا . ”نفاس والی عورت (زیادہ سے زیادہ) قریباً چالیس دن نماز روزے

سے رُکے گی۔“ (مصنف ابن أبي شيبة: 28/4، السنن الكبرى للبيهقي: 341/1، وسنده صحيح)

امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: وَقَدْ أَجْمَعَ أَهْلُ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ، وَالتَّابِعِينَ، وَمَنْ بَعْدَهُمْ، عَلَى أَنَّ النِّفْسَاءَ تَدْعُ الصَّلَاةَ أَرْبَعِينَ يَوْمًا، إِلَّا أَنْ تَرَى الطُّهْرَ قَبْلَ ذَلِكَ، فَإِنَّهَا تَغْتَسِلُ وَتُصَلِّي، فَإِذَا رَأَتْ الدَّمَ بَعْدَ الْأَرْبَعِينَ، فَإِنَّ أَكْثَرَ أَهْلِ الْعِلْمِ قَالُوا: لَا تَدْعُ الصَّلَاةَ بَعْدَ الْأَرْبَعِينَ، وَهُوَ قَوْلُ أَكْثَرِ الْفُقَهَاءِ، وَبِهِ يَقُولُ سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ، وَابْنُ الْمُبَارَكِ، وَالشَّافِعِيُّ، وَأَحْمَدُ، وَإِسْحَاقُ. ”نبی اکرم ﷺ کے صحابہ کرام، تابعین

عظام اور بعد کے اہل علم کا اس بات پر اجماع ہے کہ نفاس والی عورت چالیس دن تک نماز نہیں پڑھے گی، ہاں اگر وہ اس سے پہلے پاک ہو جائے تو غسل کر کے نماز شروع کر دے گی۔ اگر وہ چالیس دن کے بعد بھی خون دیکھے تو اکثر اہل علم کے نزدیک وہ نماز پڑھتی رہے گی۔ اکثر فقہائے کرام کا یہی قول ہے۔ یہی بات امام سفیان ثوری، امام عبد اللہ بن مبارک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل اور امام اسحاق بن راہویہ رحمہم نے کہی ہے۔“

(سنن الترمذی، تحت الحديث: 139)

اس بارے میں ساری کی ساری احادیث ”ضعیف“ ہیں۔ اجماع امت نے ان سے مستغنی کر دیا ہے۔

سوال ۱۵: حمل ساقط ہونے کے بعد عورت کو جو خون آتا ہے، کیا وہ نفاس کا ہوگا؟

جواب: اسقاط حمل (Miscarriage) کی صورت میں دیکھنا ہوگا کہ حمل واضح ہے یا نہیں۔ اگر وہ واضح ہے تو خون نفاس کا ہی ہوگا۔ حمل نوے دن میں واضح ہو جاتا ہے۔ اگر حمل واضح نہیں تو وہ خون نفاس کا نہیں۔

سوال (۱۶): کیا سیدنا زکریا علیہ السلام کو درخت نے پناہ دی تھی؟

جواب: اس بات کی کوئی حقیقت نہیں۔ معراج کے بارے میں ایک لمبی چوڑی

روایت میں سیدنا زکریا علیہ السلام کا رسول اللہ ﷺ سے یہ مکالمہ مروی ہے کہ:

قَالَتْ بَنُو إِسْرَائِيلَ : قَدْ غَضِبَ إِلَهُ زَكَرِيَّا لَزَكَرِيَّا، فَتَعَالَوْا حَتَّى نَغْضِبَ لِمَلِكِنَا، فنَقْتُلْ زَكَرِيَّا، قَالَ : فَخَرَجُوا فِي طَلَبِي لِيَقْتُلُونِي، فَجَاءَنِي النَّذِيرُ، فَهَرَبْتُ مِنْهُمْ، وَإِبْلِيسُ أَمَامَهُمْ، يَدُلُّهُمْ عَلَيَّ، فَلَمَّا أُنْ تَخَوَّفْتُ أَنْ لَا أُعْجِزَهُمْ، عَرَضْتُ لِي شَجَرَةً، فَنَادَتْنِي، فَقَالَتْ : إِلَيَّ، وَأَنْصَدَعْتُ لِي، فَدَخَلْتُ فِيهَا، قَالَ : وَجَاءَ إِبْلِيسُ حَتَّى أَخَذَ طَرَفَ رِدَائِي، وَالتَّمَّتِ الشَّجَرَةُ، وَبَقِيَ طَرَفُ رِدَائِي خَارِجًا مِّنَ الشَّجَرَةِ، وَجَاءَتْ بَنُو إِسْرَائِيلَ، فَقَالَ إِبْلِيسُ : أَمَا رَأَيْتُمُوهُ دَخَلَ هَذِهِ الشَّجَرَةَ، هَذَا طَرَفُ رِدَائِهِ، دَخَلَهَا بِسِحْرِهِ، فَقَالُوا : نَحْرِقْ هَذِهِ الشَّجَرَةَ، فَقَالَ إِبْلِيسُ : شُقُّوْهَا بِالْمِنْشَارِ شُقًّا، قَالَ : فَشَقِيقْتُ مَعَ الشَّجَرَةِ بِالْمِنْشَارِ، فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ ﷺ : «يَا زَكَرِيَّا ! هَلْ وَجَدْتَ لَهُ مَسًّا أَوْ وَجَعًا؟»، قَالَ : لَا، إِنَّمَا وَجَدْتُ ذَلِكَ الشَّجَرَةَ جَعَلَ اللَّهُ رُوحِي فِيهَا . ”

”بنی اسرائیل نے کہا کہ زکریا کا الہ اس سے ناراض ہو گیا ہے، آؤ ہم اپنے بادشاہ کی خاطر زکریا سے ناراض ہو جائیں اور اسے قتل کر دیں۔ وہ مجھے قتل کرنے کے لیے تلاش کرنے لگے۔ ایک شخص نے مجھے اس بات کی اطلاع دی تو میں بھاگ نکلا۔ ابلیس ان لوگوں کے آگے آگے تھا اور میرے بارے میں ان کو بتا رہا تھا۔ جب مجھے خوف ہوا کہ میں مزید بھاگ نہیں پاؤں گا تو ایک درخت میرے سامنے آ کر کہنے لگا: میرے پاس آ جاؤ۔ یہ کہہ کر اس کا تنا پھیل گیا۔ میں اس میں داخل ہونے لگا۔ اتنی دیر میں

ابلیس نے آکر میری چادر کا ایک کونہ پکڑ لیا۔ اسی دوران درخت کا تنا لپٹ گیا اور میری چادر کا کونہ درخت سے باہر ہی رہ گیا۔ جب بنی اسرائیل آئے تو ابلیس ان سے کہنے لگا: کیا تم دیکھ نہیں رہے کہ زکریا اپنے جادو کے ذریعے اس درخت میں داخل ہو گیا ہے۔ یہ رہا اس کی چادر کا کونہ! بنی اسرائیل کہنے لگے کہ ہم اس درخت کو جلائیں گے۔ ابلیس نے کہا: اسے آرے سے چیر دو۔ یوں آرے سے مجھے درخت کے ساتھ ہی چیر دیا گیا۔ نبی اکرم ﷺ نے سیدنا زکریا علیہ السلام سے پوچھا: کیا اس سے آپ کو کوئی گزند یا تکلیف پہنچی؟ سیدنا زکریا علیہ السلام نے فرمایا: نہیں، مجھے تو یوں لگا کہ میری روح اللہ تعالیٰ نے درخت ہی میں ڈال دی تھی۔“

(تاریخ دمشق لابن عساکر: 56/19)

لیکن یہ جھوٹی روایت ہے۔ اس کو گھڑنے کا سہرا اسحاق بن بشر بن محمد بن عبد اللہ، ابو حذیفہ، بخاری کے سر ہے، جو کہ ”متروک“ اور ”کذاب“ راوی ہے۔

(دیکھیں: میزان الاعتدال للذہبی: 184-186)

سیدنا زکریا علیہ السلام سے منسوب اسی طرح کا واقعہ کچھ تابعین سے بھی بیان کیا گیا ہے، ان سے مروی روایات کا حال بھی ملاحظہ فرمائیں:

سعید بن مسیب والی روایت (تاریخ دمشق: 207/64) میں علی بن زید بن جعدان راوی ”ضعیف“ ہے۔

وہب بن منبہ والی روایت (تاریخ دمشق: 55/19) میں عبد المعمر بن ادریس راوی موجود ہے جو کہ باتفاق محدثین ”متروک“ اور ”کذاب“ ہے۔ نیز اس کا باپ ادریس بن سنان، ابوالیاس صنعانی بھی ”ضعیف“ ہے۔

اسی طرح محمد بن اسحاق بن یسار کی بیان کردہ روایت (تاریخ طبری: 536/1) محمد بن حمید رازی کے غیر معتبر ہونے کی وجہ سے ”ضعیف“ ہے۔

معلوم ہوا کہ بعض الناس کا یہ مشہور کرنا کہ سیدنا زکریا علیہ السلام نے درخت سے پناہ مانگی تھی، سفید جھوٹ ہے۔

سوال ۱۷۰: امام تکبیر اونچی آواز سے کہے گا اور مقتدی آہستہ آواز سے، اس کی کیا دلیل ہے؟

جواب: نماز میں اصل سکوت (خاموشی) ہے، جیسا کہ سیدنا زید بن ارقم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: «فَأَمَرْنَا بِالسُّكُوتِ، وَنُهَيْنَا عَنِ الْكَلَامِ».

”ہمیں (رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے نماز میں) خاموش رہنے کا حکم دیا گیا اور باتوں سے منع کر دیا گیا۔“

(صحیح البخاری: 160/1، ح: 1200، صحیح مسلم: 204/1، ح: 539، واللفظ لہ) یہ حکم عام ہے جو کہ امام، مقتدی اور منفرد سب کو شامل ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ نماز میں اصل سکوت ہے۔ ہر ایک کو نماز میں خاموش رہنا چاہیے۔ اصل سے ہٹنے کے لیے دلیل درکار ہوگی۔ مطلب یہ کہ اونچی آواز سے تکبیر کہنے کے لیے دلیل ہونا ضروری ہے۔ امام کے لیے یہ دلیل قائم ہو چکی ہے، لہذا وہ اونچی آواز سے تکبیر کہے گا اور مقتدی و منفرد کے لیے ایسا ثابت نہیں، لہذا وہ آہستہ ہی تکبیر کہیں گے۔ امام کے اونچی تکبیر کہنے کی دلیل یہ ہے: سعید بن حارث تابعی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

صَلَّى لَنَا أَبُو سَعِيدٍ، فَجَهَرَ بِالتَّكْبِيرِ حِينَ رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ السُّجُودِ، وَحِينَ سَجَدَ، وَحِينَ رَفَعَ، وَحِينَ قَامَ مِنَ الرُّكْعَتَيْنِ، وَقَالَ: هَكَذَا رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

”سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے ہمیں نماز پڑھائی۔ انہوں نے سجدے سے سر اٹھاتے ہوئے، سجدے میں جاتے ہوئے، پھر سر اٹھاتے ہوئے اور دو رکعتوں کے بعد (تیسری کے لیے) کھڑے ہوتے ہوئے بلند آواز سے تکبیر کہی اور فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا ہی کرتے دیکھا ہے۔“ (صحیح البخاری: 114/1، ح: 825)

یہی روایت امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے ان الفاظ کے ساتھ بیان کی ہے:

فَجَهَرَ بِالتَّكْبِيرِ حِينَ افْتَتَحَ، وَحِينَ رَكَعَ، وَبَعْدَ أَنْ قَالَ: «سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ». ”آپ ﷺ نے نماز شروع کرتے اور رکوع کو جاتے وقت اور سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ کہنے کے بعد (سجدے کو جاتے ہوئے بھی) بلند آواز سے تکبیر کہی۔“ (السنن الکبریٰ: 18/2)

حافظ نووی رحمہ اللہ (631-676ھ) نے اس کی سند کو ”حسن“ قرار دیا ہے۔

(خلاصة الأحكام في مهمات السنن وقواعد الإسلام: 1/350)

اس کے راوی فُلَيْح بن سلیمان صحیح بخاری و مسلم کے راوی ہیں۔ ان پر جرح مردود ہے، جمہور محدثین کرام نے ان کی توثیق کر رکھی ہے، یوں یہ ”حسن الحدیث“ راوی ہیں۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے: وَكَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُصَلِّي بِالنَّاسِ، وَأَبُو بَكْرٍ يَسْمَعُهُمُ التَّكْبِيرَ. ”نبی اکرم ﷺ لوگوں کو نماز پڑھاتے تھے اور

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ ان کو اللہ اکبر سناتے تھے۔“ (صحیح مسلم: 1/179، ح: 418)

یعنی صرف امام بلند آواز میں ’اللہ اکبر‘ کہے گا۔ اگر مقتدی بھی بلند آواز سے تکبیر کہتے تھے تو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو دور والے لوگوں کو سنانے کے لیے مگر بننے کی کیا ضرورت تھی؟

معلوم ہوا کہ نماز میں اصل سکوت، یعنی خاموشی ہے، ہاں جہاں جہاں امام اور مقتدی کے لیے بلند آواز کرنے کی دلیل شرعی موجود ہے، وہاں وہ آواز بلند کریں گے۔ اسی طے شدہ اصول کے تحت نماز میں امام اور مگر، تکبیر بلند آواز سے کہیں گے اور مقتدی و منفرد آہستہ آواز سے۔

سوال ۱۸: میت کے ساتھ قرآن مجید رکھنا کیسا ہے؟

جواب: یہ بے اصل، بے ثبوت اور بدعت ہے۔ قرآن مجید، کلام الہی ہے جو

اللہ رب العزت نے اپنے بندوں کی ہدایت کے لیے اتارا ہے، نہ کہ مردوں کے سرہانے رکھنے کے لیے۔ اس سے مرنے والے کو کیا فائدہ؟ سلف صالحین ایسا ہرگز نہیں کرتے تھے۔

ایک مؤمن کو چاہیے کہ دینی اُمور میں کتاب و سنت اور اسلاف امت کے فہم پر اکتفا کرے۔

سوال ۱۹: بعض لوگ دورانِ وضو ہر ہر عضو کے لیے الگ الگ دُعا

پڑھتے ہیں، اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

جواب: دورانِ وضو ہر ہر عضو کے لیے ذکر و دُعا ثابت نہیں، اگرچہ بعض

الناس نے اپنی کتابوں میں بغیر دلیل کے یہ اذکار درج کیے ہیں۔ یہ ایجادِ دین، یعنی بدعت ہے۔ اس بارے میں حافظ نووی رحمہ اللہ (631-676ھ) فرماتے ہیں:

وَأَمَّا الدُّعَاءُ عَلَى أَعْضَاءِ الْوُضُوءِ، فَلَمْ يَجِئْ فِيهِ شَيْءٌ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ .

”وضو کے ہر ہر عضو پر دُعا میں نبی اکرم ﷺ سے ثابت نہیں۔“ (الأذکار، ص: 70)

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ (691-751ھ) اسے بدعت قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

وَأَمَّا الْأَذْكَارُ الَّتِي يَقُولُهَا الْعَامَّةُ عَلَى الْوُضُوءِ، عِنْدَ كُلِّ وَضُوءٍ، فَلَا أَصْلَ لَهَا، عَنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ، وَلَا عَنْ أَحَدٍ مِّنَ الصَّحَابَةِ، وَالتَّابِعِينَ، وَلَا الْأَئِمَّةِ الْأَرْبَعَةِ، وَفِيهَا حَدِيثٌ كَذِبٌ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ .

”وضو کے ہر ہر عضو کو دھوتے وقت عوام الناس جو اذکار پڑھتے ہیں، ان کا ثبوت نہ

رسول اللہ ﷺ سے ہے، نہ صحابہ و تابعین اور ائمہ اربعہ سے۔ اس بارے میں ایک جھوٹی

حدیث رسول اللہ ﷺ سے منسوب کی گئی ہے۔“ (الوابل الصیب، ص: 384)

البتہ وضو سے پہلے بسم اللہ اور وضو کے بعد اذکار ثابت ہیں۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ

انہی کو یاد کریں اور پڑھیں تاکہ دین و دنیا کی بھلائیاں سمیٹ سکیں۔

سوال ۲۰: وضو کے بعد یا وضو میں پاؤں دھوتے وقت سورۃ القدر پڑھنا

کیسا ہے؟

جواب: بدعت ہے، اس حوالے سے یہ غیر معتبر روایت بھی وارد ہوئی

ہے، سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مَنْ قَرَأَ فِي إِثْرِ وُضُوئِهِ: ﴿إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ﴾، مَرَّةً وَاحِدَةً، كَانَ مِنَ الصَّادِقِينَ، وَمَنْ قَرَأَهَا مَرَّتَيْنِ، كُتِبَ فِي دِيْوَانِ الشُّهَدَاءِ، وَمَنْ قَرَأَهَا ثَلَاثًا، حَشَرَهُ اللَّهُ مَحْشَرِ الْأَنْبِيَاءِ.

”جو شخص وضو کرنے کے بعد ایک دفعہ سورۃ القدر کی تلاوت کرتا ہے، صدیقین میں شمار کیا جاتا ہے، جو اسے دو مرتبہ پڑھتا ہے، اس کا نام شہداء کے رجسٹر میں لکھ دیا جاتا ہے اور جو اسے تین مرتبہ پڑھتا ہے، اللہ تعالیٰ اسے انبیائے کرام کے ساتھ حشر میں جمع فرمائے گا۔“

(مسند الدیلمی، نقلًا عن الحاوی للفتاویٰ للسیوطی 1/339)

علامہ سیوطی (م: 911ھ) اس کے ایک راوی کے بارے میں لکھتے ہیں:

وَأَبُو عُبَيْدَةَ مَجْهُولٌ. ”ابو عبیدہ نامی شخص مجہول ہے۔“ (أَيْضًا)

ابن حجر عسقلانی (909-974ھ) نے بھی لکھا ہے:

وَفِي سَنَدِهِ مَجْهُولٌ.

”اس کی سند میں ایک راوی مجہول ہے۔“ (الفتاویٰ الفقہیۃ الکبریٰ: 1/59)

اس کی سند میں امام حسن بصری رضی اللہ عنہ کی ”تدلیس“ بھی موجود ہے۔ نیز ابو عبیدہ سے نیچے سند بھی مذکور نہیں۔

حافظ سخاوی رضی اللہ عنہ (831-902ھ) اس روایت کے بارے میں فرماتے ہیں:

وَكَذَا قِرَاءَةُ سُورَةِ ﴿إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ﴾، عَقِبَ الْوُضُوءِ، لَا أَصْلَ لَهُ.

”اسی طرح وضو کے بعد سورۃ قدر کی تلاوت بے اصل (بدعت) ہے۔“

(المقاصد الحسنۃ، ص: 664)

سوال ۲۱: جمعہ کے دن نماز فجر کی مسنون قراءت کیا ہے؟

جواب: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَقْرَأُ فِي الْجُمُعَةِ، فِي صَلَاةِ الْفَجْرِ ﴿الْم * تَنْزِيلُ

السَّجْدَةُ ﴿١﴾ وَ هَلْ أَتَى عَلَى الْإِنْسَانِ حِينٌ مِّنَ الدَّهْرِ ﴿٢﴾ .

”نبی اکرم ﷺ جمعہ کے دن نماز فجر میں سورہ سجدہ اور سورہ دہر کی قراءت فرماتے تھے۔“

(صحیح البخاری: 891، صحیح مسلم: 880)

یہ نماز فجر کی مسنون قراءت ہے۔ بعض ائمہ مساجد ان سورتوں کے بعض حصے پر اکتفا کرتے ہیں۔ یہ اقدام درست نہیں، پوری سورت کی قراءت ہی سنت ہے، کیونکہ رسول اکرم ﷺ سے دونوں رکعتوں میں دونوں مکمل سورتیں پڑھنا ہی ثابت ہیں۔

حافظ نووی رحمہ اللہ (631-676ھ) فرماتے ہیں:

السُّنَّةُ أَنْ يَقْرَأَ فِي صَلَاةِ الصُّبْحِ، يَوْمَ الْجُمُعَةِ، بَعْدَ الْفَاتِحَةِ، فِي الرَّكْعَةِ الْأُولَى ﴿الْم﴾ * تَنْزِيلُ ﴿بِكَمَالِهَا﴾، وَفِي الثَّانِيَةِ ﴿هَلْ أَتَى عَلَى الْإِنْسَانِ﴾ بِكَمَالِهَا . ”جمعہ کے دن نماز فجر میں سورہ فاتحہ کی قراءت کے بعد پہلی رکعت میں مکمل سورہ سجدہ اور دوسری رکعت میں مکمل سورہ دہر کی تلاوت مسنون ہے۔“

(النبیان فی آداب حملة القرآن، ص: 178)

نیز فرماتے ہیں: وَلَيَجْتَنِبِ الْاِقْتِصَارَ عَلَى الْبَعْضِ .

”سورت کے ایک ٹکڑے پر اکتفا کرنے سے پرہیز کرنا چاہیے۔“ (ایضاً)

شیخ الاسلام ثانی، عالم ربانی، علامہ ابن قیم رحمہ اللہ (691-751ھ) فرماتے ہیں:

وَلَا يُسْتَحَبُّ أَنْ يَقْرَأَ مِنْ كُلِّ سُورَةٍ بَعْضُهَا، أَوْ يَقْرَأَ إِحْدَاهُمَا فِي الرَّكْعَتَيْنِ، فَإِنَّهُ خِلَافُ السُّنَّةِ، وَجَهْلُ اللَّائِمَةِ يُدَاوِمُونَ عَلَى ذَلِكَ .

”جمعہ والے دن نماز فجر میں ہر سورت کا بعض حصہ پڑھنا یا ایک ہی سورت کو (تقسیم کر کے) دونوں رکعتوں میں پڑھنا مستحب نہیں، بلکہ خلاف سنت ہے۔ جاہل ائمہ

مساجد نے اسے ہمیشہ کا معمول بنایا ہوا ہے۔“ (زاد المعاد فی ہدی خیر العباد: 369/1)

معلوم ہوا کہ جمعہ کے دن نماز فجر میں سورہ سجدہ اور سورہ دہر مکمل ہی پڑھنی مسنون ہیں۔